☆سید عبدالمالک

اِسلامی حدود کی حکمت و مصلحت

(عصرِ حاضر کے تناظر میں)

آج دُنیا کی اخلاقی حالت میں خاصا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ جرائم کی شرح میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ چنانچہ قتل و غارت، چوری ڈکیتی، لوٹ کھسوٹ اور جنسی بے راہ روی روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال عام ہے۔ اخلاقی برائیوں اور معاشرتی نظام کے عدم استحکام کے باعث خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ مخرب اخلاق نئی ایجادات نے نسل نو کے اخلاق کو خراب کیا ہے۔ آج دنیا میں زیادہ تر وضعی قوانین نافذ العمل ہیں جو نہ صرف اخلاقی اقدار سے عاری ہیں بلکہ اخلاقی اقدار پیدا کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان میں سے بعض قوانین فروغ جرائم کے ذمہ دار بھی ہیں۔ جبکہ دوسری جانب بعض ایشیائی اور افریقی ممالک میں جزوی یا کلی طور پر اِسلامی قوانین عملاً نافذ ہیں جن سے جرائم کی شرح میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ مثلاً سعودی عرب، ایران، افغانستان اور سوڈان وغیرہ میں صورت حال مختلف ہے۔ لیکن ان حقائق کے باوجود بھی آج کل کچھ حلقے اِسلامی حدود کی تنیفذ اور تاثیر کے حوالے سے کچھ خدشات کا اظہار کرتے ہیں۔

اِسلامی سزاؤں سے متعلق عصرِ حاضر میں دو طرح کے نظریات و تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک طبقہ اہل مغرب اور مغرب پرست سیکولر افراد کا ہے جو تعزیراتِ اِسلامی کے نفاذ کے خلاف ہے جبکہ دوسرا طبقہ مسلم علماء و فقہاء اور راسخ العقیدہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کے خیال میں اِسلام نے جرم و سزا کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے بہتر تصور آج تک کسی نظام نے پیش نہیں کیا۔ عقوبات اِسلامی جس طرح ازمنہ قدیم میں موزوں اور مؤثر تھیں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں بلکہ قوانین مروجہ کی

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

ناکامی کے بعد ان کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہونے لگا ہے۔ چنانچہ طبقہ اول نے شرعی سزاؤں سے متعلق جن خدشات کا اِظہار کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(i) اِسلامی سزائیں بے رحمانہ، وحشیانہ اور غیر اِنسانی ہیں۔

(ii) اِسلامی تعزیرات بہت سخت ہیں۔

(iii) شرعی سزائیں دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اِسلامی سزائیں واقعی ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں؟ یا مبنی برعدل اور باعث رحمت ہیں۔ کیا آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں ان کا نفاذ واقعی غیر مناسب ہے؟ دورِ جدید میں یہ سزائیں جن ممالک میں نافذ العمل ہیں خواہ وہ کلی صورت میں ہوں یا جزوی، اس سے شرح جرائم پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ کیا موجودہ دور میں وضعی قوانین کے ذریعے جرائم کی شرح میں کمی واقع ہورہی ہے؟ یہ چند سوالات ہیں جو تحقیق طلب ہیں چنانچہ ذیل میں ان کا ایک تحقیقی جائزہ لیا جائے گا:

اِسلامی سزاؤں کی تین طرح درجہ بندی کی جاسکتی ہے:

۱۔ حدود

۲۔ قصاص

۳۔ تعزیرات(۱)

حد کی تعریف

ایک مشہور و معروف لغت میں حد کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"الحاجز بین الشیئین"(۲)

(حد دو چیزوں کے درمیان فصل بن جانے والی شے کو کہتے ہیں۔ ھدایۃ میں حد کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:" الحد لغة هو المنع و منه الحداد للبواب"(۳) (حد کے لغوی معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ اسی سے "حداد" مأخوذ ہے۔ بمعنی بواب یعنی دربان (چونکہ دربان بھی لوگوں کو اندر داخل ہونے سے روکتا ہے اس لئے اسے حداد کہا جاتا ہے) کسی شے کی انتہا کو بھی حد کہتے ہیں جیسے حدود الارضین یا حدود الحرم وغیرہ(۴) قرآنی اصطلاح میں حدود اللہ ان چیزوں

سے عبارت ہے جن کا حلال وحرام ہونا ظاہر ہو[۵] قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" تلک حدود اللہ فلا تقربوھا"[۶] (یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں سو ان کے قریب بھی نہ جاؤ)

صاحب ہدایہ نے حد کے اصطلاحی معنی یوں بیان کئے ہیں:

"و فی الشریعة ھو العقوبة المقدرة حقا للّٰہ تعالی "(۷)

(شرعی اصطلاح میں حد ایسی معین سزا کو کہتے ہیں جو خالصۃً اللہ تعالیٰ کے حق کے پیش نظر مقرر کی جاتی ہے) حد میں شرعاً دو امور کا پایا جانا ضروری ہے ایک یہ کہ اللہ یا اس کے رسول کی جانب سے مقرر ہو اور دوسرے یہ کہ سزا کی مقدار متعین ہو چنانچہ اس اعتبار سے قصاص کو حد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ بندے کا حق ہے یہی سبب ہے کہ مقتول کے ورثاء دیت لے کر اسے معاف کر سکتے ہیں اور تعزیر بھی زمرہ حد سے خارج ہے اس واسطے کہ وہ سزا مقرر نہیں ہے کیونکہ تعزیر کا کوئی اندازہ ایسا نہیں ہے کہ کم وبیش نہ ہو سکے بتصریح امام سرخسیؒ:

"فی الشرع اسم لعقوبة مقدرة یجب حقا للّٰہ تعالیٰ ولھذا لا تسمی به التعزیر لانه غیر مقدور ولا یسمی به القصاص لانه حق العباد" (۸)

"از روئے شریعت حد اس سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ مقرر کی گئی ہو اور اسی وجہ سے تعزیر کو حد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تعزیر مقرر نہیں ہوتی اور قصاص کو بھی حد نہیں کہا جاتا اس لئے کہ وہ بندے کا حق ہے۔"

شرعی حدود

جرائم حدود کی بابت فقہاء نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ چنانچہ بعض علماء محض پانچ جرائم کو قابل حد تسلیم کرتے ہیں یعنی ۱۔حد زنا ۲۔حد سرقہ ۳۔حد قذف ۴۔حد قطع الطریق (رہزنی) ۵۔حد شراب نوشی[۹] ایک رائے کے مطابق جرائم حدود سات ہیں چنانچہ مذکورہ بالا جرائم خمسہ کے علاوہ حد ارتداد اور حد بغاوت بھی اس میں شامل ہیں۔ یہ رائے محمد فرید وجدی، ڈاکٹر عبدالعزیز عامر اور عبدالقادر عودہ وغیرہ کی ہے[۱۰] حافظ ابن حجر عسقلانی نے سترہ جرائم کو قابل حد مانا ہے اور گیارہ جرائم کی بابت لکھا

ہے کہ ان کے حدود ہونے پر اتفاق ہے۔ مذکورہ بالا جرائم کے علاوہ ترک صلواۃ، ترک صوم، جادو، جانوروں کے ساتھ مباشرت (Bestility) اور ہم جنسی (Homogeneity) کو بھی حدود میں شمار کیا ہے۔(۱۱)

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اِسلامی حدود پر معترضین نے جو اِعتراضات کئے ہیں خواہ وہ عمداً ہوں یا قصداً۔ اس کا سبب ان کا اِسلامی قانون کے عمومی مزاج سے لاعلمی ہے۔ ان معترضین میں سے بعض تو ایسے ہیں جو شریعت اِسلامیہ سے بالکل نابلد ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اِسلامی قانون کا محض سطحی علم رکھتے ہیں۔ اس کی ماہیت، اساسی اصول اور دائرہ کار سے بے خبر ہیں۔ چنانچہ اس لاعلمی کے باعث انہوں نے شریعت کو بھی وضعی قوانین پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ شریعت اِسلامیہ اپنے دائرہ کار کی وسعت کے اعتبار سے عام وضعی قوانین سے یکسر مختلف ہے۔ مثلاً عبادات اور اخلاق کے شعبہ جات مغربی قانون کے دائرے سے یکسر خارج ہیں۔ وضعی قوانین حیات انسانی کے صرف مادی پہلو سے بحث کرتے ہیں، اخلاقی اور روحانی جہات ان کے دائرہ بحث سے خارج ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مغرب میں متعدد جرائم ایسے ہیں جن پر قانو ناقدغن نہیں ہے۔ مثلاً شراب اور زنا بالرضا کو لیجئے وضعی قانون ان دونوں سے تعرض نہیں کرتا کیونکہ یہ لوگوں کا شخصی مسئلہ ہے ان میں مداخلت گویا شخصی زندگی میں مداخلت ہوگی جب کہ اس کے علی الرغم شریعت میں ان دونوں جرائم پر سخت سزائیں مقرر ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے عالم دین مولانا سید محمد متین ہاشمی نے شریعت اور قانون کے درمیان اس اساسی فرق کو یوں بیان کیا ہے:

"بات اصل میں یہ ہے کہ شریعت اور قانون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جرائم کی روک تھام کرنی چاہئے تا کہ سوسائٹی کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اس لئے شریعت اور قانون دونوں نے جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ شریعت کی بنیاد "اخلاق فاضلہ" پر ہے اس لئے شریعت چاہتی ہے کہ اخلاق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے لہذا اس نے غیر اخلاقی یا مخرب اخلاق فعل پر سخت سے سخت سزائیں رکھی ہیں اس کے برخلاف قانون وضعی کو انفرادی اخلاق سے کوئی سروکار نہیں البتہ اگر کسی غیر اخلاقی فعل سے کسی دوسرے فرد یا جماعت کے نظام میں امن عامہ کو نقصان پہنچنے کا

امکان ہوتو پھر قانون حرکت میں آ جاتا ہے"(۱۲)

سوال یہ ہے کہ قانون کے ذریعے نفاذ اخلاق کے بارے میں اہل مغرب کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ چنانچہ ذیل میں اس مسئلے کی تاریخی جہت کا مختصراً ایک تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔

اخلاقیات اور قانون سازی:(Morality and Legislation)

پارلیمنٹ اور عدالت کے ذریعے نفاذ اخلاق کا مسئلہ مغربی ماہرین قانون کے مابین دلچسپ موضوع بحث رہا ہے چنانچہ برطانیہ میں قانون کے ذریعے اخلاقی برائیوں کے سدباب کے حوالے سے 1954ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جو والفن ڈن کمیٹی(Wolfendin Committee) کے نام سے معروف ہے۔ کمیٹی نے اخلاقیات کو شخصی اور عوامی اخلاقیات میں تقسیم کرنے کی سفارشات پیش کیں۔ چنانچہ ان سفارشات کی رو سے انفرادی اخلاق بایں سبب قابل تعزیر نہیں ہیں کہ یہ افراد کا نجی معاملہ ہے۔ تھامس(Thomas Morawetz) نے اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

The Committee recommended decriminalization and rested its recommendation the importance which society and the Law ought to give to private freedom of choice and action in matters of private morality." (13)

(کمیٹی نے سفارش کی کہ زیادہ سے زیادہ افعال کو جرائم کی فہرست سے نکالا جائے اور تاکید کی کہ معاشرے اور قانون دونوں کو چاہئے کہ اس امر کو اہم سمجھے کہ یہ انفرادی اخلاق کے طریقوں میں انتخاب اور عمل کے سلسلے میں نجی طور پر افراد کو آزاد ہونا چاہئے)

پروفیسر ہارٹ(Hart) نے کمیٹی کی بعض دیگر مجوزہ سفارشات کا حوالہ یوں دیا ہے:

"As to homo sexuality they recommended by a majority 12 to 1 that homosexual practices btween consenting adults in private should no longer be a crime; as toprostitution they unanimously recommended that, though it should not itself be made illegal,

legislation should be passed to drive it off the streets."(14)

"جہاں تک ہم جنس پرستی کا تعلق ہے انہوں نے ایک کے مقابلہ میں بارہ کی اکثریت سے سفارش کی کہ خلوت میں باہمی رضامندی سے اگر بالغ افراد اس کے مرتکب ہوں تو اب اسے مزید جرم نہیں رہنا چاہیئے۔ جہاں تک قحبہ گری کا تعلق ہے۔انہوں نے متفقہ طور پر سفارش کی کہ اگرچہ یہ بجائے خود غیر قانونی قرار نہیں دینا چاہیئے تاہم مقنّنہ کو قانون پاس کرنا چاہیئے کہ گلیوں سے اسے ہٹا دیا جائے۔"

یہاں کمیٹی نے کچھ ایسی اخلاقی برائیوں کو بھی نجی اخلاق کے زمرے میں شامل کرنے کی سفارش کی ہے جو نہ صرف انفرادی طور پر نقصان دہ ہیں بلکہ معاشرے کے لئے بھی انتہائی مضر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ خود مغربی مفکرین میں سے بعض نے ان سفارشات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور گناہ اور جرم کی اس غیر منطقی درجہ بندی کو رد کیا چنانچہ پٹرک ڈیولن (Patrick Devlin) اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"It is wrong to talk of private morality or of the law not being concerned with immorality as such or to try to set rigid bounds to the part which the law may play in the suppression of vice."(13)

"نجی اخلاقیات پر گفتگو کرنا غلط ہے، یا یہ کہ بد اخلاقی کا قانون سے کوئی تعلق نہیں، یا یہ غلط ہوگا کہ اس کردار کی جامد نوعیت کی حدیں مقرر کرنے کی کوشش کی جائے جو برائی کو دبانے کے لئے قانون ادا کرسکتا ہے۔"

موصوف مزید رقمطراز ہے:

You may argue that if a man's sins affect only himself it can not be the concern of society. If he chooses to get drunk every night in the privacy of his own, is any one except himself the worse for it? But suppose a quarter or a half of the population got drunk every night,

what sort of society would it be? [(14)]

"آپ اس امر پر بحث کر سکتے ہیں کہ اگر گناہ کے اثرات محض گناہ کرنے والے شخص پر مرتب ہوں تو معاشرے کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تنہائی میں وہ ہر رات شراب پیئے تو کیا یہ صرف اسی کے لئے مضر ہوگا؟ لیکن فرض کرے کہ آبادی کا اگر ایک چوتھائی یا نصف ہر شب شراب پیا کرے تو وہ معاشرہ کس قسم کا ہوگا۔"

ان مختصر تصریحات کی روشنی میں اب مغربی تصور جرم وسزا اور اسلامی نظام تعزیرات کے درمیان موجود فرق کو آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

اِسلامی حدود اور اُن کا فلسفہ

شریعت اِسلامیہ میں سزائیں بذات خود مطلوب نہیں بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ ہیں۔ جن جرائم میں سزائیں مقرر کردی گئی ہیں۔ معاشرتی نقطۂ نظر سے وہ حد درجہ اہم ہوتی ہیں، حدود شرعیہ کے نفاذ کا مقصد وحید انسانی معاشرے کی اصلاح اور اخلاقی اقدار کا فروغ ہے۔ ان سزاؤں کے نفاذ سے مظلوم کی حمایت ہوتی ہے اور امن پسند شہریوں میں احساس تحفظ پیدا ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے حدود شرعیہ کی حکمت و مصلحت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إعلم أنّ من المعاصى ما شرع الله فيه الحد و ذلك كل معصية جمعت وجوها من المفسدة بأن كانت فساداً فى الارض و اقتضابا على طمانينة المسلمين، وكانت لها داعية فى نفوس بنى آدم لا تزال تهيج فيها، ولها ضراوة لا يستطيعون الاقلاع منها بعد أن أشربت قلوبهم بها، وكان فيه ضرر لا يستطيع المظلوم دفعه عن نفسه فى كثير من الأحيان، وكان كثير الوقوع فيما بين الناس، فمثل هذه المعاصى لا يكفى فيها الترهيب بعذاب الآخرة بل لا بد من إقامة ملامة شديدة عليها و إيلام ليكون بين أعينهم ذلك فيردعهم عما يريدونه" (۱۷)

"جاننا چاہئے کہ بعض معاصی کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے حد مقرر کی ہے اور وہ ایسے معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا، نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا اور اِسلامی معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ گناہ کچھ اس نوع کے ہوتے ہیں کہ دو چار مرتبہ کرنے سے ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور ان سے باز رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے معاصی میں آخرت کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرت ناک سزا مقرر کی جائے کہ اس کا مرتکب اپنے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اور تا حیات سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے سامان عبرت بنا رہے۔ اور اس کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جُرم کرنے کی جرأت کریں۔"

فرد اور معاشرہ

اِسلامی قانون میں مفاد عامہ، مفاد خاص پر مقدم ہے۔ اِسلام فرد اور جماعت دونوں کو اہمیت دیتا ہے لیکن فرد کے مقابلے میں جماعتی مفاد اسے زیادہ عزیز ہے۔ اس لئے وہ سوسائٹی کو ہر طرح کے جرائم سے پاک رکھنے کے لئے سخت سزائیں تجویز کرتا ہے۔

اِسلامی سزاؤں کا مقصد مجرم کی اصلاح اور لوگوں میں سزا کا خوف پیدا کرنا ہے بقول سید محمد متین ہاشمی:

"شریعت نے حدود جاری کرنے میں خصوصیت کے ساتھ دو مقاصد پیش نظر رکھے ہیں۔

1۔ مجرم میں سزا کا خوف پیدا کرنا تا کہ وہ دوبارہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرے 2۔ مجرم کو دوسروں کے لئے سامان عبرت بنا دینا۔ تا کہ دوسرے لوگ اس جرم کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔" (۱۸)

قرآن حکیم میں سرِ عام حدود جاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

"ویشهد عذابهما طائفة من المؤمنين"(۱۹)

"اور ان دونوں (زانی اور زانیہ) کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہئے۔"

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ سرعام حدود جاری کرنے سے ایک طرف مجرم کی اصلاح ہوگی تو دوسری جانب اس سے دیگر افرادِ معاشرہ بھی عبرت پکڑیں گے۔"

جرائم کے اسباب ومحرکات کا تدارک

ایک اِسلامی ریاست حدود جاری کرنے سے قبل ایسے قدم اُٹھاتی ہے کہ جن کے نتیجے میں جرائم کا قلع قمع ہوجائے چنانچہ ابتداء ہی میں جرائم کے اسباب ومحرکات کی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلے فضا اور ماحول کو سازگار بنایا جاتا ہے اور افرادِ معاشرہ کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی وروحانی مسائل کو احسن طریقے سے حل کیا جاتا ہے۔ یعنی انہیں آسودہ حال بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح مخرب اخلاق اشیاء پر پابندی عائد کی جاتی ہے جو خواہشاتِ نفسانی کو برانگیختہ کرنے والی اور وقوع جرائم کے قوی محرکات ہیں چنانچہ ایک اِسلامی معاشرے میں ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال اور ہر طرح کی فحاشی و عریانی ممنوع قرار پائیں گے مزید یہ کہ عریان فلموں، فحش تصاویر، مخرب اخلاق گانوں، فحش لٹریچر، کیبل نیٹ ورک، وی سی آر اور ڈش اینٹینا وغیرہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے☆۔ علاوہ ازیں دورِ حاضر میں سیکولرائزیشن کے جو جدید ترین طریقے اختیار کئے گئے ہیں، ان کا بھی اِسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔

مثلاً:

۱۔ بیوٹی پارلر کلچر ۲۔ سیکس ایجوکیشن کلچر ۳۔ پورنو کلچر ۴۔ مانع حمل کلچر

۵۔ ایڈز کلچر ۶۔ کلچرل شو کلچر ۷۔ ڈرامہ کلچر ۸۔ نیشنل فیسٹیول کلچر

۹۔ فیشن شو کلچر ۱۰۔ بیوٹی کنٹیسٹ کلچر ۱۱۔ کاسمیٹک کلچر ۱۲۔ پب کلچر

۱۳۔ شیئرز اور سیکورٹی کلچر ۱۴۔ ملبوسات کلچر ۱۵۔ x x کلچر (۲۰)

الغرض یہ وہ اسباب ومحرکات ہیں کہ حفظ ماتقدم کے طور پر ان کا انسداد امر ناگزیر ہے۔ ورنہ معاشرے کا پورا اخلاقی نظام درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔ نتیجتاً جرائم کے تناسب میں اضافہ ہوگا۔

☆ کیبل نیٹ ورک وی سی آر اور ڈش اینٹینا ذرائع ابلاغ ہیں، ان ذرائع ابلاغ سے اگر فحاشی اور عریانی پھیلائی جارہی ہو تو اس کو منع کیا جائے گا بذاتِ خود ان ذرائع کی گنجائش نہ ہونے کی بات کرنا اس زمرہ میں نہیں آتا۔ (ادارت)

بعض سزاؤں میں شدت اختیار کرنے کا سبب

اہل مغرب اور سیکولر عناصر نے اسلامی سزاؤں کو بہت شدید، ظالمانہ اور غیر انسانی قرار دیا ہے لہذا عصر حاضر کے ترقی یافتہ معاشرے میں ان کا نفاذ غیر مناسب ہے۔لیکن شریعت میں سزا کے فلسفے پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ معترضین کے ان اعتراضات میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ بلاشبہ جرائم کے مکمل استیصال کے لئے اسلام نے سخت قسم کی سزائیں مقرر کی ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ جو جرائم معاشرے کے وجود پر اثر انداز ہونے والے ہیں۔ان کے استیصال کے لئے سخت سزائیں مقرر کرنے کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں چنانچہ عبدالقادر عودہ نے ان جرائم کی سزاؤں میں شدت اختیار کرنے کی علت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وعلة التشديد أن هذه الجرائم من الخطورة بمكان وأن التساهل فيها يؤدى حتما إلى تحلل الأخلاق و فساد المجتمع و اضطراب نظامه و ازدياد الجرائم، وهى نتائج ما ابتلى بها جماعة إلا تفرق شملها و اختل نظامها و ذهب ريحها، فالتشدد فى هذه الجرائم قصد به الإبقاء على الأخلاق و حفظ الأمن والنظام، أو بتعبير آخر قصد به مصلحة الجماعة، فلا عجب أن تهمل مصلحة الفرد فى سبيل مصلحة الجماعة، بل العجب أن لا تضحى مصلحة الفرد فى هذا السبيل"[۲۱]

"ان جرائم میں اس قدر شدت اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جرائم اس قدر خطرناک ہیں کہ ان کی گرفت میں تساہل برتنے سے معاشرہ اخلاقی زوال، فساد اور اضطراب کا شکار ہو جائے گا اور جس معاشرے کو یہ گھن لگ جائے۔وہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔اس کا نظام حیات بکھر جاتا ہے اور اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ان جرائم میں شدت اختیار کرنے سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کا اخلاق باقی رہے، سماجی نظام ٹوٹنے نہ پائے اور امن وسلامتی برقرار رہے یا بالفاظ دیگر ان جرائم کی سزاؤں میں

شدت سے معاشرتی مفاد کو فرد کے مفاد پر ترجیح دی گئی ہے جو یقیناً کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے بلکہ قابل تعجب بات تو یہ ہوتی کہ اس صورت میں بھی فرد کے مفاد کو سماجی مفاد پر ترجیح دی جاتی۔"

عصرِ جدید کے ایک مفکر کی تصریح

"مغربی ناقدین کو اِسلام کی سزاؤں میں بظاہر جو عدم توازن دکھائی دیتا ہے، اس کی وجہ اِسلامی اور مغربی تہذیبی اقدار کا فرق ہے۔ مغرب کا قانون زنا کو اسی وقت جرم سمجھتا ہے جب یہ بالجبر کیا جائے، (..........) اس کے برخلاف اسلامی معاشرے میں عزت وعفت خود سب سے بڑی انسانی قدر ہے۔ زنا چونکہ اس قدر کو تباہ کرتا ہے، اس لئے شدید سزا کا مستحق ہے۔ جہاں تک کسی کے حقوق میں ناجائز تصرف ہے تو یہ ایک اضافی جرم ہے جو مزید سزا کا متقاضی ہے۔ (..........)"(۲۲)

یہاں یہ امر وضاحت طلب ہے کہ شریعت نے حدود کے نفاذ میں سخت گیری کی مخالفت کی ہے اور ایسی رعایتیں دی ہیں جو سزا کی شدت کو کم کرتی ہیں مثلاً:

۱۔ اجرائے حد میں احتیاط۔ ۲۔ شبہات سے حدود کا اسقاط۔

۳۔ حد لگانے میں اعتدال کا لحاظ۔ ۴۔ تندرستی عقل وبدن۔

۱۔ اجرائے حد میں احتیاط

شریعت اسلامیہ نے اسلامی حدود کے اجراء میں حد درجہ حزم واحتیاط برتنے کا حکم دیا ہے تا کہ معصوم افراد کو سزا سے بچایا جاسکے۔ ویسے بھی شریعت کا عام اصول ہے کہ غلط طور پر معاف کر دینا غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے:

"عن عائشةؓ قالت قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئى فى العفو خير من ان يخطئى فى العقوبة"(۲۳)

"حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنا تم سے ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کیا کرو۔ اگر ذرا بھی گنجائش ہو کہ ملزم سزا سے بچ جائے تو اسے بچ

جانے دو کیونکہ معاف کر دینے میں اگر حاکم سے غلطی سرزد ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں اس سے غلطی ہو۔"

ایک اور حدیث نبوی ہے:

"عن جابر ان رجلا من اسلم جاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاعترف بالزناء واعرض عنہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حتی شہد علی نفسہ اربع مرات قال لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ألک جنون؟ قال لا، قال أحصنت قال نعم، فأمر بہ فرجم بالمصلی"(۲۴)

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص ماعز اسلمیؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپؐ نے اس سے رُخ مبارک پھیر لیا۔ وہ اعتراف کرتا رہا۔ آپؐ رُخ انور پھیرتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا، کیا تو مجنون ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا تو شادی شدہ ہے؟ وہ بولا "جی ہاں" تب آپؐ کے حکم سے اسے عیدگاہ ہی میں رجم کیا گیا۔"

علاوہ ازیں متعدد احادیث اور بھی ایسی ہیں کہ جن سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ حدود کے اجراء میں تسامح اور احتیاط سے کام لیا جائے مثلاً ماعز اسلمیؓ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور حضرت ہزالؓ نے اسے بارگاہ نبوت میں پیش ہونے اور اقرار جرم کا مشورہ دیا تھا۔ آپ کو جب اس واقعے کے پیش منظر کا علم ہوا تو آپؐ نے ہزال کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"لوسترتہ بثوبک کان خیرا لک"(۲۵)

"اگر تو اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیتا تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔"

اسی طرح غامدیہ کی ایک عورت کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہو کر بدکاری کا اعتراف کرنا۔(۲۶)

واضح رہے حدود کے اجراء میں اس چشم پوشی کا حکم اس وقت تک ہے جب تک معاملہ

عدالت تک نہ پہنچے لیکن جب قضیہ عدالت میں آ جائے اور جرم ثابت ہو جائے تو حد کا نفاذ لازمی ٹھہرتا ہے۔

۲۔شبہات سے حدود کا اسقاط

شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔تاہم اس قاعدے کا کلی اطلاق تعزیرات پر نہیں ہوتا۔اس مسئلہ میں علماء امت متفق الرائے ہیں سوائے ابن حزم اور اہل ظواہر کے، جو شبہات کے سبب اسقاط حد کے منکر ہیں۔ابن رشد نے اس سلسلے میں فقہاء امت کا اجماع نقل کیا ہے اور ایک حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے:

"ادرؤا الحدود بالشبهات"(۲۷)

"اگر جرم کے ثبوت میں ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو حدود کو دفع کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ مقر اگر اپنے اقرار سے رجوع کرے تو شبہہ کے سبب حد ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مرغینانی لکھتے ہیں:

" فان رجع المقر عن اقراره قبل اقامة الحد او فى وسطه قبل رجوعه وخلى سبيله وقال الشافعيؒ وهو قول ابن ابى ليلىٰ يقيم عليه الحد."(۲۸)

"اگر اقرار کرنے والا اقامت حد سے پہلے یا حد جاری ہونے کے دوران اپنے اقرار سے رجوع کر لے،تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔"

اسی طرح حضرت عمرؓ نے قحط کے ایام میں چور کا ہاتھ کاٹنے اور میدان جنگ میں سپاہیوں یا سردار پر حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۲۹)

۳۔حد لگانے میں اعتدال

کوڑے مارنے میں اعتدال کا حکم ہے۔تازیانہ نہ تو اس قدر شدید ہو جس سے زخم پیدا ہوں اور نہ ہی زیادہ نرم ہو۔کیونکہ زخم پیدا ہونے کی صورت میں ہلاکت کا خدشہ رہے گا اور اگر زیادہ نرم ہو تو

اس سے سزا کی مقصدیت فوت ہو جائے گی۔ (۳۰)

علاوہ ازیں حد کا اجراء جسم کے ایک ہی عضو پر نہ ہونا چاہئے بلکہ متفرق اعضاء پر ہونا چاہئے۔ کیونکہ حد کا مقصد زجر و توبیخ ہے نہ کہ ہلاکت! چنانچہ البحر الرائق میں اس نکتہ کی صراحت یوں کی گئی ہے:

"وانما يفرق الضرب على أعضائه لا الجمع في عضو واحد قد يفضي الى التلف، والحد زاجر لا متلف، وانما يتقى الاعضاء الثلاثة لقوله عليه السلام للذى أمره بضرب الحد: اتق الوجه والمذاكير" (۳۱)

"حد کا اجراء علیحدہ اعضاء پر ہونا چاہئے کیونکہ ایک ہی عضو میں جمع کرنا موجب ہلاکت ہوسکتی ہے کیونکہ حد محض زجر و توبیخ کے لئے ہے، تلف کے واسطے نہیں ہے۔ بالخصوص تین اعضاء پر حد جاری کرنے سے بچنا چاہئے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آدمی کو حد لگانے کا حکم دیا اس کو ارشاد فرمایا کہ چہرہ اور شرم گاہ کو چھوڑ دو۔"

۴۔ تندرستی عقل و بدن

اگر مجرم کسی مرض میں مبتلا ہو تو تندرستی ہونے تک حد کو مؤخر کیا جائے گا جیسا کہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

"والمريض (.....) ولا يجلد حتى يبرأ" (۳۲)

"مجرم اگر مریض ہو تو صحت یاب ہونے تک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔"

اسی طرح اجرائے حد کے لئے بدن کے علاوہ تندرستی عقل بھی شرط ہے۔ یعنی مجرم صاحب عقل ہو، پاگل نہ ہو۔ اس سلسلے میں اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ماعز اسلمیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ پر چار مرتبہ گواہی دی تو آپؐ نے اس سے دریافت کیا تو پاگل تو نہیں؟ جب اس نے نفی میں جواب دیا تب آپؐ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ (۳۳)

مصالح شریعت

شریعت اسلامیہ کا کوئی حکم بھی مصلحت سے خالی نہیں ہے بتصریح عز الدین ابن عبد السلام:

"ان الشریعة کلها مصالح إما درء مفاسد أو جلب منافع۔(۳۴)

(تمام شریعت مصالح سے عبارت ہے جتنے بھی شرعی احکام ہیں ان کا مقصد یا دفع ضرر ہے یا حصول نفع) ایک اور ممتاز عالم دین نے اس حقیقت کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

"ان الشریعة مبناها واساسها علی الحکم و مصالح العباد فی المعاش والمعاد۔"(۳۵)

"شریعت کے جملہ احکام کا انحصار اور اساس حکمتوں پر ہے اور بندوں کے ان مصالح پر ہے جو اس دنیوی زندگی اور بروز قیامت انہیں درکار ہیں۔"

کلیات خمسہ .

امام غزالیؒ کے نزدیک اسلامی قانون میں مصلحت، کلیات خمسہ کی حفاظت سے عبارت ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

" نعنی بالمصلحة المحافظة علی مقصود الشرع، و مقصود الشرع من الخلق خمسة وهو ان یحفظ علیهم دینهم و نفسهم و عقلهم و نسلهم و مالهم فکل ما یتضمن حفظ هذه الاصول الخمسة فهو مصلحة و کل ما یفوت هذه الاصول فهو مفسدة و رفعها مصلحة"(۳۶)

"اسلامی شریعت میں مصلحت، مقاصد شرع کی حفاظت کا نام ہے اور شرع کو مخلوق کے پانچ امور کی حفاظت مقصود ہے۔ دین، نفس، عقل، نسل اور مال۔ پس ہر وہ شے جو ان امور کی حفاظت کرے مصلحت ہے اور جو چیز ان مصالح کے ضیاع وفوات کو متضمن ہو وہ مفسدہ اور اس کا دفع کرنا مصلحت ہے۔"

مذکورہ بالا پانچ امور وہ ہیں جن کی ہر شریعت نے حفاظت کی ہے اور ان کی حمایت میں سزائیں مقرر کی ہیں، شریعت اسلامیہ نے بھی ان پانچ اصولوں کی حمایت کی ہے جو حسب ذیل ہیں:

الف۔ دِین کی حمایت۔ ب۔ محافظت نفس۔

ج۔ محافظت عقل۔ د۔ نسل کی حفاظت۔

ہ۔ محافظت مال۔

شرعی حدود بھی اکثر علماء وفقہاء کے نزدیک پانچ ہی ہیں جیسا کہ ابتداء میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ البتہ بعض فقہاء کے خیال میں حد ارتداد اور حد بغاوت بھی اس میں شامل ہیں۔

حد زنا کی حکمت

شریعت اسلامیہ کے پانچ بڑے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ نسل انسانی محفوظ رہے۔ زنا اگر عام ہو جائے تو کسی قسم کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، کوئی شخص کسی بچے کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ماں، بیوی، بہن اور بیٹی وغیرہ کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ نظام تمدن و معاشرت میں سخت اختلال واقع ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شریعت اسلامیہ نے تمام جرائم میں فحش تر جرم زنا کو قرار دیا ہے اور اس کی سزا بھی سخت مقرر کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة"(۳۷)

"زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے مارو۔"

یہ سزا تو غیر محصن (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت کے لئے ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا۔ یہ سزا حضورؐ کے قول و عمل، خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ حد رجم کے موضوع پر پاک و ہند کے علماء نے دورِ حاضر میں جو علمی کام کیا ہے۔ وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔(۳۸)

زنا سے چونکہ فحاشی اور بے حیائی پھیلتی ہے اس لئے اس کے قریب بھی نہ پھٹکنے کا حکم ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

"ولا تقربوا الزنی انه كان فاحشة وساء سبيلا"(۳۹)

"اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ وہ بڑی بے حیائی کی بات اور بہت بری راہ ہے۔"

گویا شارع نے اسے انتہائی فحش جرم قرار دیا ہے۔ ھذیل نے جب دربار نبوی میں حاضر ہوکر زنا کی اجازت طلب کی تو حسان بن ثابت نے فی البدیہہ یہ شعر کہا:

سألت هذيل رسول الله فاحشة ضنت هذيل بما سألت ولم تصب(٤٠)

وجہ فرق

یہاں پر یہ نکتہ وضاحت طلب ہے کہ شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ زانی کی سزاؤں میں فرق بیان کیا جائے چنانچہ عصر حاضر کے ایک عالم دین نے اس امر کی تصریح یوں کی ہے:

"شریعت کا منشا یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق میں نقص پیدا نہ ہو اسی لئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جب لڑکے اور لڑکیاں شادی کے قابل ہو جائیں تو انہیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے بلکہ جلد از جلد رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے نکاح میں تاخیر ہوگئی اور شہوانی جذبات نے عقل کو مغلوب کر دیا اور زنا کا ارتکاب ہوگیا تو شادی شدہ شخص کے مقابلے میں یہ غیر شادی شدہ شخص کم درجے کا مجرم ہے۔ لیکن اگر اسی گناہ کا ارتکاب ایک ایسا شخص کرے جسے جائز ذرائع سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے مواقع حاصل ہیں اور شریعت نے اس کے لیے یہ بھی گنجائش رکھی ہے کہ وہ ایک بیوی سے مطمئن نہ ہو تو دوسری تیسری اور چوتھی عورت کو بھی اپنے حبالۂ عقد میں لا سکتا ہے۔ اس کے باوجود زنا کا ارتکاب اور جائز ذرائع سے عدول اس کی فطرت کی کجی اور عقل کے زوال پر دال ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلم معاشرے میں زندگی گزارے اور اخلاقی بے راہ وی کا جرثومہ معاشرے کے دوسرے افراد میں پھیلا کر ماحول کو خراب کرے لہٰذا شریعت نے اس کے لئے رجم کی سزا مقرر کر دی۔"(۴۱)

اسلام میں زنا کی روک تھام کے لئے سخت قوانین موجود ہیں اور اس شدت کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلامی تاریخ میں جب بھی اور جہاں بھی یہ قوانین نافذ العمل رہے ہیں۔ وہاں جرائم کا وقوع نہ

ہونے کے برابر ہے جبکہ اس کے برعکس جن ممالک مثلاً یورپ اور امریکہ وغیرہ میں وضعی قوانین رائج ہیں وہاں چونکہ زنا کی سزا متعین کرنے میں سختی کی بجائے نرمی سے کام لیا گیا ہے اس لئے وہاں عریانی، فحاشی، پردہ دری اور جنسی بے راہ روی روزہ مرہ کا معمول بن چکے ہیں اس کا اعتراف خود مغربی دانشوروں نے بھی کیا ہے اور اس مسئلے کی نزاکت کو محسوس کیا ہے چنانچہ پروفیسر ایوب صابر نے چارلس جے سائیکس (Charles J.Sykes) کے حوالے سے لکھا ہے:

"وہ لکھتا ہے کہ بقول ڈیانہ رسل (Diana Russel) %54 عورتیں اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے جنسی درندگی (Rape) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ امریکہ کے ایک قومی ادارے (National Victim Center) کے مرتب کردہ اعداد و شمار کے مطابق 1990ء میں بالغ عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کی وارداتوں کی تعداد چھ لاکھ تراسی ہزار تھی" (۴۲)

مغربی عورت جس ذلت سے دوچار ہے اس ذلت کا اندازہ حسب ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

"Rape is seen as expression of western civilization's Fear and hostility toward woman- a product of phallocentric political, economic, and social forces that demand the submission and humiliation of woman."(43)

حد سرقہ کی مصلحت

مغربی ناقدین اور سیکولر عناصر نے رجم کے بعد دوسرا بڑا اعتراض اسلامی سزا "قطع ید" پر کیا ہے اور اس سزا کو نہ صرف انہوں نے غیر انسانی قرار دیا ہے بلکہ ان کے خیال میں آج کے ترقی یافتہ دور میں اس کا نفاذ غیر مناسب ہے چنانچہ ذیل میں معترضین کے ان دو اعتراضات کا اسلامی فلسفہ حدود کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔

شریعت اسلامیہ نے چوری کے جرم پر قطع ید کی سزا دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا

من الله (۴۴)

"اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالوان کے کرتوتوں کے عوض میں اللہ کی طرف سے بطور عبرتناک سزا کے۔"

حد کے دنیاوی فوائد ایک حدیث نبوی میں یوں بیان کئے گئے ہیں:

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إقامة حد من حدود الله خير من مطر اربعين ليلة (۴۵)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک حد کو قائم کرنا چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔"

سید شمس الحق افغانی نے قطع ید کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"چور کے حق میں قطع ید ورجل جبکہ وہ دونوں معاشرے کے لئے زہریلے پھوڑے بن جاتے ہیں۔ یہ قطع ایسا ضروری ہے جیسے ہسپتالوں میں زہریلے پھوڑے کی سرایت کے خوف سے عضو کاٹنے کا عمل روزمرہ کیا جاتا ہے اور کوئی ان کو نامعقول نہیں سمجھتا۔ پھر قطع مذکور کی نشانی مدت مدید تک باقی رہتی ہے۔ اور تمام ناظرین کے لئے سبق آموز اور موجب عبرت ہوتی ہے جس کو دیکھ کر کوئی چوری اور ڈاکہ ڈالنے کی جراءت نہیں کرسکتا۔ اس کے مقابلے میں چور یا ڈاکو کو مخفی کوٹھڑی میں بند کرنا اور جیل کی سزا دینا سوسائٹی اور عوام پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اور نہ کوئی اس کا مشاہدہ کرتا ہے، نہ اس کی سزا و جرم سے کوئی سبق لیتا ہے۔" (۴۶)

اسلامی حدود جن مملک میں نافذ العمل رہے ہیں وہاں جرائم کی شرح میں کمی واقع ہوئی ہے۔ عصر حاضر کے مفکر انیس الرحمٰن نے ان تاریخی حقائق کا تذکرہ یوں کیا ہے:

"معاشرے کو بیکار کرنے کا اعتراض واقعاتی حیثیت سے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ اس قانون کو نافذ کیا گیا، دور نبوت سے لے کر خلافت راشدہ تک صرف چھ آدمیوں کے ہاتھ کاٹے گئے اور آج بھی سعودی عرب میں یہ قانون نافذ ہے مگر برسوں گزر جاتے ہیں اور ایک بھی ہاتھ کٹنے کی نوبت نہیں آتی۔" (۴۷)

عصر حاضر کا ایک عالم دین اس سلسلے میں رقمطراز ہے:

"اسلام میں اولیت معاشرے کو حاصل ہے اگر دو چار افراد کو معذور بنا دینے یا ہلاک کر دینے سے کروڑوں افراد پر مشتمل معاشرہ تباہیوں سے بچ جائے تو اسلامی شریعت اس میں پس و پیش نہیں کرتی۔ اس لئے کہ ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو ناپاک بنا سکتی ہے(............) سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اخلاقی معیار کو حاصل کرنے کے لئے سعودی عرب کی حکومت کو کتنے آدمیوں کے ہاتھ کاٹنے پڑے اور کتنے لوگوں کو رجم کیا گیا؟ شیخ الازہر علامہ عبدالحلیم محمود فرماتے ہیں کہ:

"۱۸ سال کے عرصے میں صرف دس آدمیوں کے ہاتھ کاٹے گئے۔" میرے خیال میں یہ دس آدمی بھی مقامی نہیں تھے۔"(۴۸)

غیر اسلامی سزائیں

جن ممالک میں وضعی قوانین رائج ہیں وہاں قطع ید کی بجائے ہلکی پھلکی (قید و بند) سزائیں مقرر ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہاں ان سزاؤں کے نفاذ سے جرائم کے تناسب میں کمی واقع ہوئی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو اس کی وجوہ کیا ہیں؟ چنانچہ ڈاکٹر عبدالقادر عودہ مروجہ قانون میں چوری کی سزا کی تاثیر سے متعلق رقمطراز ہے:

"وتجعل القوانين الحبس عقوبة للسرقة وهى عقوبة قد أخفقت فى محاربة الجريمة على العموم والسرقة على الخصوص، والعلة فى هذا الاخفاق أن عقوبة الحبس لا تخلق فى نفس السارق العوامل النفسية التى تصرفه عن جريمة السرقة؛ لأن عقوبة الحبس لا تحول بين السارق و بين العمل والكسب إلا مدة الحبس"(۴۹)

"مروجہ قوانین میں چوری کی سزا حبس ہے جو ہر جرم کے باب میں بالعموم اور جرم سرقہ کے باب میں بالخصوص ایک ناکام سزا ہے۔ اس ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ سزائے قید سے چور کے دل میں وہ نفسیاتی عوامل پیدا نہیں ہوتے جو اسے جرم سے باز رکھیں؟ کیونکہ سزائے قید مجرم

اوراس کے عمل اور کسب میں صرف مدت سزا تک حارج ہوتی ہے۔"

بتصریح مولانا سید محمد متین ہاشمی:

روزنامہ ڈیلی نیوز (Daily News) کراچی نے ۱۹۷۲ء میں امریکہ کے جرائم کی مندرجہ ذیل رپورٹ شائع کی ہے:

واشنگٹن ۲۹/ اگست (پ۔پ۔ا۔ڈ۔پ۔ا) یہاں کے ایف۔بی۔آئی (فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن) نے آج جو رپورٹ شائع کی ہے۔اس کے مطابق یہاں پر ہر انتالیس سیکنڈ میں کوئی ایک جرم ضرور سرزد ہو جاتا ہے۔امریکہ میں اس سال ہر تیس منٹ پر ایک قتل ہوا، ہر تیرہ منٹ کے بعد کسی ایک امریکی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا جاتا ہے۔ہر اکیاسی منٹ پر کوئی زبردست ڈاکہ پڑتا ہے اور ہر چھیاسی سیکنڈ میں کسی ایک امریکی شہری پر جسمانی حملہ کیا جاتا ہے۔اس سال پورے ملک میں جرائم کی شرح میں سات فیصد اضافہ ہوا، تشدد آمیز جرائم مثلاً قتل، زنا بالجبر اور ڈاکہ وغیرہ میں گیارہ فیصد اور املاک کے خلاف جرائم مثلاً چوری اور نقب زنی میں سات فیصد، واضح اعدد وشمار کے مطابق گزشتہ سال ۱۷۶۳۰، افراد قتل ہوئے۔یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلے ۱۷۷۰ کے بقدر زائد ہے اور گزشتہ پانچ سال کے مقابلے میں قتل کی وارداتوں میں ۶۱ فیصد اضافہ ہوا ہے۔اس سال زنا بالجبر کی بیالیس ہزار وارداتیں ہوئیں۔یہ تعداد گزشتہ سال کے مقابلہ میں گیارہ فیصد اور پچھلے پانچ سال کے مقابلے میں ۶۴ فیصد زائد ہے۔"(۵۰)

یہ رپورٹ تو کافی پہلے شائع ہوئی تھی اس کے بعد ان ممالک میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا آرہا ہے۔

نتیجہ بحث

فی زمانہ مستند تحقیقی رسائل و جرائد، اخبارات اور کتب جدیدہ کے ذریعے وقتاً فوقتاً جو تازہ ترین اطلاعات موصول ہوتی رہی ہیں۔ان سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے سیکولر ممالک میں شرح جرائم کا گراف اوپر کو بڑھتا گیا ہے۔اس کا بنیادی سبب وہاں رائج وضعی قوانین ہیں جو انسداد جرائم میں ناکام رہے ہیں۔پس اس تحقیق سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے کہ معترضین نے اسلامی

سزاؤں پر جو اعتراضات کئے ہیں۔ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔اس کی دو وجوہ ہیں ایک سبب تو ان معترضین کا وضعی قوانین کی خامیوں سے اغماض برتنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی سزاؤں کے فلسفے اور ان کے اسرار پر غور کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کیونکہ جب جرائم کی بابت اسلام کا نقطۂ نظر ہی الگ ہے تو ان کے خاتمے کے لئے اسلام کا طریقہ کار اگر دیگر اقوام سے الگ ہو تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔الغرض شرعی سزائیں آج کے مہذب معاشرے کے لئے نہ صرف مناسب ہیں بلکہ ناگزیر ہیں اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔نیز معاشرے کے لئے اپنے اثر کے اعتبار سے بھی مؤثر اور مفید ہیں۔اور مبنی بر عدل ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ء، ۱/۷۸۔

۲۔ المعلم بطرس البستانی، محیط المحیط، بیروت، ۱۸۷۰ء، ۱/۳۵۸۔

۳۔ علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، مصطفیٰ الحلبی، ۲/۴۸۵۔

۴۔ الزبیدی، تاج العروس، المطبعہ الخیریہ، ۱۳۰۶ھ، ۲/۲۳۱۔

۵۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۳/۱۴۵۔

۶۔ البقرۃ/۱۸۷۔

۷۔ علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، ۲/۴۸۵

۸۔ شمس الدین السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت۔ لبنان، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، ۹/۳۶۔

۹۔ ابراہیم آفندی، اسرار الشریعۃ الاسلامیۃ، مصر، ۱۳۲۸ء، ص ۲۲۷۔

۱۰۔ محمد فرید وجدی، دائرۃ المعارف القرن العشرین، مصر، ت ن، ۳/ ۳۷۸، عبدالعزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، قاہرہ، ۱۹۶۹، ص ۳، عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، ۱/ ۷۹

۱۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح البخاری، مصر، ۱۹۵۹، ۱۵/ ۶۱۔

۱۲۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۳۵۔۳۶۔

13. Morawetz, Thomas, the philosophy of Law, Collier Macmillan publishers, London, 1980, p.138

14. Hart, H.L.A., Law, Liberty and Morality, oxford university press, oxford New York, 1984, p.13

15. Devlin, Patrick, The Enforcement of Morals, oxford university press, London, 1968, p.14

16. *Ibid.*

۱۷۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ۱۹۷۵ء، ۲/ ۱۵۸۔

۱۸۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی، اسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، ص ۱۵۔

۱۹۔ النور/ ۲

۲۰۔ اسرار عالم، عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال، قاضی پبلیشرز و ڈسٹری بیوٹرز دہلی نمبر ۱۳، ۱۹۹۶ء، ص ۳۶۲۔ ۳۶۷۔

۲۱۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، ۱/ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔

۲۲۔ محمد طاہر القادری، اسلام کا تصور جرم و سزا، مرتبہ خورشید احمد ندیم، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ۱/ ۸۴۔

۲۳۔ محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع ترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فی درء الحدود، ۱/ ۲۶۳۔

۲۴۔ محمد بن اسمعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ، باب الرجم، ۲/ ۱۰۰۸۔

۲۵۔ شیخ ولی الدین العمری التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود، ۲/ ۳۱۱۔

۲۶۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب فی المرأۃ التی امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجمھا، ۲/ ۲۶۱۔

۲۷۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مکتبہ علمیہ لاہور، ت ن، ۲/ ۳۲۴۔

۲۸۔ علی بن ابی بکر المرغینانی، الھدایۃ، ۲/ ۴۸۷، کاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۶۱۔

۲۹۔ محمد فرید وجدی، دائرۃ المعارف القرن العشرین، ۳/ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔

۳۰۔ محمد بن علی الشوکانی، نیل الاوطار، دار الجیل، بیروت۔ لبنان، ت ن، ۷/ ۲۸۔

۳۱۔ ابن نجیم، البحر الرائق، طبع فی المطبعۃ العربیۃ، لیک روڈ، لاہور، پاکستان، ۵/ ۹۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۳۳۔ محمد بن اسمعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ، باب ھل یقول الامام للمقر لعلک لمست او غمزت، ۲/ ۱۰۰۸

۳۴۔ عز رالدین بن عبدالسلام، قواعدالاحکام فی مصالح الانام، دارالجیل، ۱۴۰۰ھ، ۱/۹۔

۳۵۔ ابن قیم، اعلام الموقعین، دارالجیل، بیروت۔ لبنان، ۱۹۷۳ء، ۳/۳۔

۳۶۔ الغزالی، المستصفی من علم الاصول، مطبعہ مصطفی محمد، مصر، ۱۳۰۶ھ، ۱/ ۲۸۶۔

۳۷۔ النور/۲

۳۸۔ رجم کے موضوع پر پاکستان میں عصرِ حاضر کے علماء نے جو علمی کام کیا ہے وہ بہت اہم اور وقیع ہے، خورشید احمد انور نے اسے باقاعدہ ایک جلد کی صورت میں جمع کر دیا ہے ملاحظہ ہو: اِسلام کا تصور جرم و سزا، مرتبہ خورشید احمد انور، عالمی ادارہ فکر اِسلامی، اِسلام آباد، ۱۹۹۷، ج ۲۔

۳۹۔ الفرقان/ ۶۸

۴۰۔ عمر رضا کحالۃ، الزنا ومکافتۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، ص ۲۷۔

۴۱۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی، اِسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، ص ۳۴، ۳۵۔

۴۲۔ پروفیسر ایوب صابر، اقبال اور جدید و قدیم کی کشمکش، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اِسلامی، جلد ۳۷، شمارہ ۳، جنوری، مارچ ۲۰۰۰ء ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۲۳۔

۴۴۔ المائدہ/ ۳۸۔

۴۵۔ شیخ ولی الدین التبریزی، مشکواۃ، کتاب الحدود، باب قطع السرقۃ، ۲/۳۱۳۔

۴۶۔ سید شمس الحق افغانی، اِسلام کا تصور جرم و سزا، مرتبہ خورشید احمد ندیم، عالمی ادارہ فکر اِسلامی، اِسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۸۸۔

۴۷۔ محمد انیس الرحمٰن قاسمی، اِسلام کا تصور جرم و سزا، مرتبہ خورشید احمد ندیم، عالمی ادارہ فکر اِسلامی، اِسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۹۵۔

۴۸۔ مولانا محمد متین ہاشمی، اِسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، ص ۲۳۔

۴۹۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الِاسلامی، ۱/۶۵۳۔

۵۰۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی، اِسلامی حدود اور ان کا فلسفہ، ص ۲۴۔